© rasailojaraid.com

رسائل و مسائل

(گذشتہ سے پیوستہ)

مدعی کے غور و فکر کے لیے تین سوال پچھلے شمارے میں ہم نے ان تمام روایات کا خلاصہ جمع کر دیا ہے، جو امتناعِ مزارعت کے مدعی کے حق میں ہیں۔ اگر ان روایات کے مقابلے پر کوئی اشکال نہ ہوتا تو یہ بڑا مضبوط ثبوت ہو سکتی تھیں۔ جرح کے لیے ہم تین ابتدائی نکات سامنے رکھتے ہیں:۔

۱ — یہ معلوم عام حقیقت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محض مفتی و معلم ہی نہ تھے، ملک کے حاکم اور نظم و نسق کے کارپرداز بھی تھے اور یہ بھی واضح ہے کہ زمین کا معاملہ دو چار یا دس پانچ افراد کی نجی اور شخصی زندگی کا کوئی محدود اتفاقی و ہنگامی معاملہ نہ تھا کہ جماعتِ عام سے الگ اُن کو چپکے سے بتا دیا جاتا بلکہ یہ تو پوری سلطنت کے نظم سے متعلق تھا اور لاکھوں افراد کی معیشت اس سے متاثر ہوتی تھی۔ لہٰذا اسے بخوبی شائع و ذائع ہونا چاہیے تھا۔

۲ — یہ بات حالتِ ایمان میں سوچی بھی نہیں جا سکتی کہ حضورؐ نے زبان سے تو ایک چیز کو غلط ارشاد فرمایا ہو اور عملاً اسے رائج رہنے دیا ہو، یا زبان سے ایک دوسرے طریقے کو برحق فرمایا ہو اور عملاً اُسے جاری و نافذ نہ کریں۔

۳ — یہ بھی ناممکن بات ہے کہ حضورؐ ایک طریقے کو روکنا اور دوسرے کو رائج کرنا چاہتے ہوں، مگر صحابہ اُن کو نہ کریں۔ یا یہ کہ خلفائے راشدین کو یہ معلوم ہو چکا ہو کہ حضورؐ کسی رواج کا انسداد کر کے ایک دوسرا اصلاحی طریقہ جاری کرنا چاہتے تھے، مگر تمام زمانۂ خلافتِ راشدہ میں حضورؐ کے منشا کے خلاف کسی صورت کو وہ رائج رکھیں۔

اب ان تینوں نکات کو سامنے رکھ کر جناب مدعی اس حقیقت پر نگاہ ڈالیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے اپنے دور سے لے کر امیر معاویہ کے دور کے وسط تک، یعنی مسلسل ۵۰ برس مزارعت پر عمل جاری رہا۔ خود رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم، اکابر صحابہ اور آپ سے قریب ترین تعلق رکھنے والے تمام بڑے بڑے گھرانے بٹائی پر زمینیں دیتے رہے ــــ اور اتنی بڑی جماعت کے عوام اور اہلِ علم اور اربابِ حل و عقد میں سے کسی کو یہ معلوم نہ تھا کہ آنحضرتؐ نے بٹائی اور لگان پر زمین کاشت کے لیے دینے کو منع فرمایا ہے۔ بس صرف متذکرہ پانچ چھ افراد ہی کو اس ممانعت کا علم تھا۔ فی الحقیقت یہ ایک حیرت انگیز صورتِ حالات ہے۔

رافع بن خدیج کی روایت کا انکشاف پہلی بار ۵۰ھ میں حضرت عبداللہ بن عمر کے سامنے ہوا، یعنی نصف صدی گذر گئی۔

نافع کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر اپنی زمینیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور آپ کے بعد حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان (رضی اللہ عنہم) کے زمانوں میں برابر کرائے پر دیتے رہے۔ یہاں تک کہ جب امیر معاویہؓ کی حکومت کا آخری زمانہ آیا (یعنی تقریباً ۵۰ھ یا اس کے کچھ بعد) تو ان کو یہ خبر پہنچی کہ رافع بن خدیج نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس فعل کی ممانعت کا حکم بروایت کرتے ہیں۔ یہ سن کر وہ جناب رافع سے ملنے گئے۔ اور میں (یعنی نافع) ان کے ساتھ تھا۔ انہوں نے رافع سے پوچھا کہ یہ کیا روایت ہے جو تم بیان کرتے ہو؟ اس پر جناب رافع نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زمینوں کے کرائے سے منع فرماتے تھے۔ اس پر ابن عمر نے اپنی زمینیں کرائے پہ دینی بند کر دیں۔ ان سے جب اس بارے میں پوچھا جاتا تو بس وہ یہی کہتے کہ رافع کا دعویٰ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔

عبداللہ بن عمر کے صاحبزادے حضرت سالم کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ (سالم کے والد) کے سوال پر حضرت رافع نے اپنے دو چچاؤں کے حوالے سے بیان کیا کہ حضورؐ نے زمین کے کرائے سے منع فرمایا۔ اس پر حضرت عبداللہ نے فرمایا کہ "مجھے معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں زمینیں کرایے پر دی جاتی تھیں۔"

خیال رہے کہ عبداللہ بن عمر وہ شخص ہیں جن کی حقیقی بہن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں تھیں، جن کے والد حضرت عمر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کے معتمد ترین وزیر و مشیر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رہے اور پھر خود دس سال تک اسلامی حکومت کے خلیفہ رہے۔ کیا یہ ممکن تھا کہ اُن کے پورے زمانۂ نبوت اور پورے زمانۂ خلافتِ راشدہ میں یہ خبر نہ ہوئی کہ زمینوں کے بارے میں اسلام کا قانون کیا ہے؟ اور کیا یہ ممکن تھا کہ حضرت عمرؓ کی زندگی میں ان کا اپنا بیٹا اُن کی طرف سے ان کے گھر کی زمینداری کا انتظام ایسے طریقے پر کرتا رہتا جو اسلامی قانون میں ممنوع تھا؟

مدعی یہ سوال کر سکتا ہے کہ پھر عبداللہ بن عمر نے رافع کی روایت کو قبول کیوں کر لیا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ اُن کے مزاج میں احتیاط و ورع کی حد سے گزر کر تشدد تک پہنچ گئی تھی۔ آخر عمر میں تو شدت اتنی بڑھی کہ وضو میں اتنا مبالغہ کرتے کہ آنکھوں کے اندرونی حصوں کو بھی دھویا کرتے۔ اپنے بچوں کو اگر پیار کر لیتے تو پھر کلی کئے بغیر نماز نہ پڑھتے۔ نماز کی جماعت میں اگر بعد میں آکر شریک ہوتے تو چھوٹی ہوئی رکعتیں ہی نہ پڑھتے، سجدۂ سہو بھی کرتے۔ اس شدتِ احتیاط کی بنا پر انہوں نے رافع بن خدیج کی روایت کو اختیار کر لیا۔

یہ تو روایت پر بحث تھی، ابھی ہمارے پاس حضورؐ اور حضورؐ کے کثیر صحابہ کی عملی سنّت قابلِ بیان ہے۔

خیبر کی زمینوں کا معاملہ فتح خیبر کے وقت وہاں کی زمینوں پر یہودیوں کی ملکیت ختم کردی گئی، اور پھر یہودیوں ہی کی درخواست پر اُن سے بٹائی کا معاملہ آدھی پیداوار پر کیا گیا۔ واضح ہے کہ آدھی زمین کی مالک حکومت تھی۔ اور بقیہ نصف زمینوں کے مالک وہ پندرہ سو حصہ دار تھے جن پر اٹھارہ سو قطعات تقسیم کر دیئے گئے۔ بٹائی کی جو نصف پیداوار وہاں سے آتی وہ حکومت اور انفرادی حصہ داروں کے درمیان نصف نصف تقسیم کر دی جاتی۔ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ بھی عام حصہ داروں کے ساتھ تھا۔ اور آپ ہر سال حصے میں ملنے والے حصہ پیداوار — کھجوروں اور غلے — کو اپنی ازواجِ مطہرات میں برابر برابر دیا کرتے تھے۔ یہ بندوبست حضورؐ کے آخر حیات تک جاری رہا۔ اسی طریقے کو حضرت ابوبکرؓ نے جاری رکھا۔ اور اسی پر حضرت عمرؓ نے اس وقت تک عمل کیا جب معاہدے کے تحت یہود کو شرارتوں کی وجہ سے خیبر سے نکال دیا گیا۔

یہ بات نوٹ کرنے کی ہے کہ اس موقع پر حضرت عمرؓ نے اعلان کیا کہ اراضی خیبر میں جس جس کا حصہ ہے وہ جا کر اپنی اپنی زمین سنبھال لے۔ ازواجِ مطہرات کے سامنے حضرت عمرؓ نے یہ تجویز رکھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ آپ میں سے جو جو پسند کریں وہ زمین لے لیں۔ اور جو چاہیں اپنے حصہ کی زمین حکومت کے انتظام میں رہنے دیں۔ اور اس کا غلہ اور ثمرہ لیتی رہیں۔ چنانچہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ نے زمین لے لی اور دیگر ازواجِ مطہرات نے غلہ اور ثمرہ لینا پسند کیا۔

ذرا خیال کریں، یہ کتنا بڑا واقعہ ہے، کتنے افراد کا اس سے تعلق تھا، کتنے لمبے عرصے تک یہ جاری رہا۔ آنحضورؐ نے خود اسے شروع کیا اور دو خلفائے راشدین نے اسے جاری رکھا۔ یہ رسولؐ اور اجل صحابہ کی عملی سنّت نہایت درجہ مشہور اور معلومِ عام تھی۔ اس کے مقابلے میں کوئی قولی روایت جو سند کے لحاظ سے کیسی بھی ویقح ہو، قانونِ شریعت نہیں بن سکتی۔ وہ اگر تھی بھی تو عملی سنّت نے اُسے منسوخ کر دیا۔

جو لوگ یہ اعتراض اُٹھاتے ہیں کہ خیبر کا معاملہ بٹائی کا نہیں خراج کا تھا، وہ ذرا غور کریں کہ حکومت کی ملکیتی زمین کا تو خراج ہو سکتا ہے مگر بقیہ آدھی زمین جو افراد کی ملکیت میں دی گئی تھی، اُس کی بٹائی کو خراج کیسے قرار دیا جا سکتا ہے؟

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ خیبر کے یہودی باقاعدہ ذمی رعایا نہ تھے، کیونکہ اُن پر جزیہ نہیں لگایا گیا، اس لیے مسلمان مجاز تھے کہ اُن سے جو چاہتے لیتے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جزیہ کے احکام غزوۂ خیبر کے وقت نازل ہی نہیں ہوئے تھے۔ پھر بھلا جزیہ کے عاید کرنے نہ کرنے کا کیا سوال[1]؟ اہلِ خیبر کا ذمی ہونا اس سے ثابت ہے کہ اسلامی حکومت نے انہیں ایک باضابطہ معاہدے اور قرارداد کے مطابق اپنے ملک میں آباد رہنے دیا۔ اُن پر خراج عاید کیا اور اُن پر دیوانی و فوجداری قوانین نافذ کیے۔ آپ کہتے ہیں کہ یہودی ذمی نہ تھے لہٰذا مسلمان اُن سے جو چاہتے لیتے، حالانکہ یہودیوں کی بستیوں اور محلوں میں مسلمان جب چلنے پھرنے لگے اور اُنہوں نے کچھ دست درازیاں کیں تو شکایت ملنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور کہا کہ "اللہ نے تمہارے لیے یہ حلال نہیں کیا ہے کہ اہلِ کتاب کے

[1] پھر یہ سوال اُٹھایا جاتا ہے کہ بعد میں جب جزیہ کے احکام نازل ہو گئے تو اُن پر جزیہ کیوں نہ لگایا گیا! اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے سے جب کسی گروہ کے ساتھ معاہدہ ہو چکا ہو تو اس میں یکطرفہ طور پر کسی نئی شرط کا شامل کرنا کیسے جائز ہو سکتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گھروں میں بلا اجازت گھسو، اُن کے بال بچوں کو مارو پیٹو اور اُن کے پھل کھا جاؤ، حالانکہ جو کچھ اُن پہ واجب تھا وہ اُنہوں نے ادا کر دیا۔ یہ خطبہ یہودیوں کے حقوق کا تحفظ کرتا ہے۔ پھر کیسے کہا جا سکتا ہے کہ وہ ذمی نہ تھے۔

انصار اور مہاجرین کے درمیان بٹائی کا معاملہ

اب ایک اور بڑے معاملے کو لیجیے۔ انصار نے حضورؐ سے عرض کیا کہ آپؐ ہمارے نخلستانوں کو ہمارے اور مہاجر بھائیوں کے درمیان بانٹ دیں۔ آنحضرتؐ نے انکار کر دیا۔ پھر انصار نے مہاجرین سے کہا کہ:

"آپ لوگ ہماری طرف سے ان نخلستانوں میں کام کریں اور ہم آپ کو ثمرہ میں شریک کریں گے۔"

مہاجرین نے اس پیش کش کو قبول کر لیا۔

واضح رہے کہ اس کے راوی وہی ابوہریرہؓ ہیں جو لگان اور بٹائی کی ممانعت اور خود کاشت کرنے یا مفت زمین دینے کی ایک روایت کے راوی ہیں۔ اور یہ بھی خیال رہے کہ یہ معاملہ حضورؐ کے نوٹس میں لا کر طے کیا گیا۔

اکابر صحابہ کا عمل

قیس بن مسلم نے حضرت ابوجعفر (یعنی امام محمد باقر) سے یہ روایت کی کہ

"مدینے کے مہاجرین کا کوئی گھرانہ ایسا نہ تھا جو تہائی یا چوتھائی حصہ پیداوار کے عوض کاشت نہ کرتا ہو۔"

امام بخاری اس روایت کو نقل کرنے کے بعد مزید تائیدی نظائر یہ پیش کرتے ہیں:

"بٹائی پر معاملہ حضرت علیؓ نے کیا ہے، سعد بن مالک اور عبداللہ بن مسعود نے کیا ہے، عمر بن عبدالعزیز اور قاسم اور عروہ نے کیا ہے۔ آلِ ابوبکرؓ، آلِ علیؓ، آلِ عمرؓ سب بٹائی پر کاشت کراتے رہے ہیں۔ حضرت عمرؓ اس طرح معاملہ کیا کرتے تھے کہ "اگر عمر اپنے پاس سے بیج دے گا تو آدھی پیداوار لے گا اور اگر کاشت کار اپنا بیج لائیں تو اُن کا حصہ اتنا ہوگا۔"

حضرت ابوجعفر (امام محمد باقر) کی ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر اپنی زمین نصف نصف کی بٹائی پر زراعت کے لیے دیتے تھے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابن ابی شیبہ نے حضرت علیؓ کا قول نقل کیا ہے کہ "نصف نصف کی بٹائی پر زمین کاشت کے لیے دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔"

طاؤس کی روایت ہے کہ حضرت معاذ بن جبل بھی اپنی زمین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی اور آپ کے بعد حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے زمانے میں بھی تہائی اور چوتھائی پیداوار کی بٹائی پر زراعت کے لیے دیتے رہے ہیں۔[1] حضرت معاذ وہ شخص ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کا قاضی اور عامل زکوٰۃ مقرر کیا تھا۔ اور ان کے بارے میں فرمایا کہ "حلال و حرام کا علم سب سے زیادہ رکھتے ہیں۔" پھر انہیں حضرت عمرؓ نے پورے شام کا فوجی گورنر مقرر کیا تھا۔ کیا ایسے شخص کو اتنا بھی معلوم نہ تھا کہ اسلام کا قانونِ اراضی کیا ہے؟

موسیٰ بن طلحہ کی روایت ہے کہ حضرت عثمان نے عبداللہ بن مسعود، عمار بن یاسر، خباب بن ارت اور سعد بن مالک کو زمینیں عطا کی تھیں۔ ان میں سے عبداللہ بن مسعود اور سعد بن مالک اپنی زمینیں تہائی اور چوتھائی پیداوار کی بٹائی پر کاشت کے لیے دیتے تھے۔

ان ساری روایات سے نہایت ممتاز صحابیوں کا عمل سامنے آتا ہے جس سے ظاہر ہے کہ ان کے سامنے ۵۰ سال تک کبھی بٹائی کے امتناع کا حکم نہیں آیا۔ آیا ہوتا تو وہ اس کی خلاف ورزی کی جرأت نہ کر سکتے۔

تنقید بہ لحاظ روایت

اب ہم مدعی کے سامنے ایک دوسرا اصول رکھتے ہیں۔ اصول یہ ہے کہ اسلام کے احکام و قوانین ایک دوسرے کے متضاد و متناقض نہیں ہو سکتے بلکہ لازم ہے کہ وہ سب کے سب ایک فریم میں اس طرح نصب ہو جائیں کہ کوئی تصادم ان میں نہ ہو۔ اس اصول کی روشنی میں امتناعِ مزارعت کی روایت اسلام کے بعض واضح قوانین سے متصادم ہوتی ہیں۔ اب یا تو ان سارے قوانین کو اس روایت کی خاطر بدل دیا جائے، یا ان قوانین کی کسوٹی پر اس روایت کی جانچ کی جائے۔ قابلِ توجہ قوانین یہ ہیں:۔

[1] اس روایت میں کمزوری صرف اتنی ہے کہ راوی نے حضرت عثمانؓ کا دور بھی لے لیا، حالانکہ معاذ بن جبل کی وفات دورِ فاروقی میں ہوئی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱ — اسلامی نظام میں ملکیتِ زمین کے حقوق صرف تندرست بٹے کٹے مردوں تک ہی محدود نہیں ہے، بلکہ عورتوں، بچوں، بیماروں اور بوڑھوں تک بھی یہ حقوق پہنچتے ہیں۔ اگر مزارعت ممنوع ہو تو پھر اِن سب کے لیے ملکیتِ زمین بے معنی ہو جاتی ہے۔

۲ — اسلامی قانونِ وراثت کی رُو سے جس طرح ایک آدمی کی میراث اس کے مرنے پر بہت سے آدمیوں میں تقسیم ہو جاتی ہے، اسی طرح بسا اوقات بہت سارے متوفیان کی طرف سے میراث ایک آدمی کے پاس بھی آجاتی ہے۔ اب اگر اسلام کا قانونِ وراثت ایک شخص کو خود کاشتی رقبے سے زائد کا مالک بناتا ہو، اور دوسری طرف اس کا قانونِ امتناعِ مزارعت (اگر وہ ثابت ہو) اُسے خود کاشتی رقبے سے زائد کو چھوڑنے پر مجبور کر دے تو یہ دو متناقض قانون ہوئے۔

۳ — اسلامی قانونِ تجارت نے بیع و شریٰ پر یہ پابندی نہیں لگائی کہ کوئی شخص کسی بھی نوعیت کی جائز اشیا کو زیادہ سے زیادہ ایک حد تک ہی خرید کر اپنی ملکیت میں لے سکتا ہو۔ اب اگر دیوانی قانون کے تحت ایک شخص حسبِ دلخواہ زمین خریدتا ہے اور دوسری طرف قانونِ امتناعِ مزارعت موجود ہو تو گویا زمین کے معاملے میں آزادیٔ بیع و شریٰ کالعدم ہو جائے گی۔

۴ — اسلام میں تحدیدِ ملکیت کا قانون اصولاً موجود نہیں[1]۔ لیکن اوپر بیان کردہ روایاتِ مزارعت زمین کے معاملے میں تحدیدِ ملکیت کر دیتی ہیں۔

۵ — اسلام احسان اور فیاضی کی تعلیم ہر دائرے اور معاملے میں دیتا ہے، لیکن اپنے واجبی حقوق وصول کر لینے کے بعد وہ فیاضی کو اُصولاً آدمی پر بذریعہ قانون فرض قرار نہیں دیتا۔ زائد از ضرورت چیزیں دوسروں کو دے دینا، حاجت مند کو قرض دینا، اپنا خالی مکان یا مکان کا کوئی حصّہ

---

[1] بعض پیچیدہ حالات میں خاص طور پر ان معاشروں میں جو عرصۂ دراز سے اسلامی نظام سے محروم رہنے کی وجہ سے معاشی فساد کا شکار ہو گئے ہوں، کسی قسم کے مال یا جائیداد یا اسباب کے متعلق ایک عبوری دَورِ اصلاح و تعمیر میں بعض تحدیدات اختیار کی جا سکتی ہیں، یا کثیر التعداد عوام کی پریشان حالی یا زرِ مبادلہ یا تجارتِ خارجہ کے نہایت اہم تقاضوں کے تحت عارضی اقدامات کیے جا سکتے ہیں، مگر کوئی مستقل قانون ایسا نہیں تسلیم کیا جا سکتا جو قانونِ شریعت کے فریم ورک کو بدل دے۔ (لنے رضی)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کسی دوسرے کو اُس کی خودی مفاد کے لیے مفت دے دینا، یا کم سے کم کچھ وقت بلا کرایہ استعمال کا موقع دینا، زائد سواریوں، کپڑوں اور برتنوں کو دوسروں میں تقسیم کر دینا، پیمانے اور اوزار وغیرہ کو دوسروں کو عاریۃً مہیا کرنا ان سب صورتوں کے لیے ترغیب موجود ہے۔ مگر قانوناً کسی معاملے میں ایسی فیاضی کو لازم نہیں ٹھہرایا گیا۔ مثلاً سواری کا جانور دریا بہ زمانۂ حاضر موٹر گاڑی (سکوٹر) ایک سے زائد ہو تو دوسرے بھائی کو بلا معاوضہ دے دیا جائے، یا روپیہ صرف قرضِ حسنہ کے طور پر ہی دیا جائے، مضاربت و مشارکت میں نہ لگایا جائے، یا خالی مکان مفت ہی پیش کیا جائے۔ اور کوئی کرایہ کبھی نہ لیا جائے، یا اسی طرح زمین اگر خود کاشت سے زائد ہو تو بلا معاوضہ دوسروں میں تقسیم کر دی جائے۔ ایسے احکام کسی دائرے میں نہیں ملتے۔ خاص زمین ہی کے دائرے میں فیاضی کا قانوناً لازم ہونا باہر سے قانونی نظامِ شریعت میں کیسے کھپ سکتا ہے۔

۱۔ قانونِ تجارت یا قانونِ کاروبار کے رو سے تمام دائرہ ہائے معاش میں آدمی کو اس بات کی کھلی اجازت دی گئی ہے کہ نفع و نقصان کی شراکت کے ساتھ دوسروں سے معاملہ کرے۔ اپنا روپیہ یا سرمایہ مضاربت یا مشارکت کے لیے دے سکتا ہے اور نفع کا کوئی حصہ (یا کسر) مقرر کر سکتا ہے۔ کوئی مشین یا انجن یا موٹر یا کشتی یا جہاز خرید کر کسی کام کرنے والے کو دے سکتا ہے کہ اس کے ذریعے تم کماؤ اور ایک مقررہ حصہ مجھے بھی دیتے رہو۔ یہی اصول صرف ایک زمین کے معاملے میں کیوں ٹوٹ جاتا ہے۔

ان اشارات سے ظاہر ہے کہ اسلام کے قوانینِ شریعت کے ڈھانچے میں وہ روایات فٹ نہیں بیٹھتیں۔ جن سے مدعی یہ حکم نکال کر سامنے لایا ہے کہ اسلام میں مزارعت جائز نہیں۔ اس حکم کو ماننے سے لازم آتا ہے کہ بہت سے قوانین میں رد و بدل کیا جائے۔ یا اگر ان سارے قوانین کو اپنی جگہ محکم رکھنا ہو تو اس حکم کو شریعت کے قانونی ڈھانچے اس نقطۂ نظر سے نصب نہ کیا جائے۔ اس حکم کی بنیاد جن روایات پر ہے ان میں کوئی جھول ہے۔

امتناعی احکام کا اصل مفہوم | روایت اور درایت کے جملہ نکات ...

کے بعد اب ہم مدعی کے سامنے یہ حقیقت لانا چاہتے ہیں کہ امتناعی احکام کا تعلق اصل میں کس صورتِ معاملہ سے تھا جو رافع بن خدیج اور دوسرے ہم خیال راویوں ...

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہو سکی۔ روایتیں نہ جھوٹی ہیں، نہ ضعیف، کمی یہ ہے کہ ان میں پوری بات بیان نہیں ہوئی۔ نتیجہ یہ کہ غلط فہمیاں پھیلیں۔

سنہ ۲۵ کے لگ بھگ زمانے میں جب یکایک اُن روایات کی خبر پھیلی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزارعت سے منع فرمایا ہے تو ہر طرف ایک کھلبلی سی مچ گئی۔ تب لوگ روایات کی کھوج کرید کے لیے دوڑے اور روایت کرنے والوں سے ملے۔ اس طرح جو بات کھلی وہ ذیل کی روایات سے واضح ہے:۔

۱۔ حنظلہ بن قیس کہتے ہیں کہ میں نے رافع بن خدیج سے پوچھا کہ سونے اور چاندی کی شکل میں زمین کا کرایہ طے کرنا کیسا ہے؟ انہوں نے کہا: کوئی مضائقہ نہیں۔ اس کے بعد انہوں نے مزید تشریح یوں کی:۔

"اصل بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لوگ اپنی زمینیں اُجرت پر دیتے ہوئے یہ طے کیا کرتے تھے کہ پانی کی نالیوں کے سرے پر اور اُن کے کناروں پر اور کھیت کے بعض مخصوص حصوں میں جو پیداوار ہو گی وہ مالک زمین لے گا۔ اب کبھی ایسا ہوتا کہ ایک جگہ کی کھیتی برباد ہوتی اور دوسری جگہ کی بچ جاتی، اور کبھی اس جگہ کی بچ جاتی اور اُس جگہ کی برباد ہو جاتی۔ اُس زمانے میں زمینیں کرایہ پر دینے کا کوئی دوسرا دستور اس کے سوا نہ تھا۔ اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی کے ساتھ منع فرمایا۔ رہا ایک واضح اور متعین حصہ تو اُس پر معاملہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔"

۲۔۔۔ حنظلہ بن قیس کی ایک دوسری روایت میں رافع بن خدیج کی اس سے ملتی جلتی وضاحت کے آخر میں یہ کہا گیا ہے کہ "رہا سونا، چاندی تو اس پر معاملہ کرنے کا اُس زمانہ میں دستور ہی نہ تھا۔"

۳۔۔۔ حنظلہ بن قیس کی تیسری روایت میں جناب رافع بن خدیج وہی بات اپنے دو چچاؤں کے حوالے سے بیان کرتے ہیں۔ اس کے آخر میں ہے کہ "اس پر میں نے رافع سے پوچھا کہ دینار اور درہم کے عوض معاملہ کرنا کیسا ہے؟ رافع نے کہا: اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔"

۴۔۔۔ رافع سے ایک اور روایت حنظلہ الزرقی کے واسطے سے آتی ہے۔ وہ بھی متذکرہ مضمون کے مطابق ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

د ۔۔۔ رافع بن خدیج کے چچا زاد بھائی اُسید بن ظُہَیر روایت کرتے ہیں کہ :۔

"ہم میں سے کوئی شخص جب اپنی زمین سے بے نیاز ہوتا ۔ یا اُسے کرائے پر دینے کا حاجت مند ہوتا تو اُسے تہائی یا چوتھائی یا نصف پیداوار کی بٹائی پر دوسرے کو دے دیتا تھا ۔ اور ساتھ ہی شرط کر لیتا تھا کہ تین نالیاں اور گانٹھیں[1] (یا گھنڈیاں) اور بڑی نالی کے کنارے کی پیداوار اُس کی ہے ۔ اُس زمانہ میں زندگی بڑی سخت تھی آدمی دن بھر ہل چلاتا یا دوسرا کام کرتا تب تھوڑا سا فائدہ حاصل ہوتا ۔ ایک روز رافع بن خدیج ہمارے پاس آئے اور کہنے لگے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو ایسے کام سے روک دیا ہے جو تمہارے لیے نافع تھا ۔ مگر اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت تمہارے لیے زیادہ نافع ہے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم کو زمینیں کرایہ پر دینے سے منع فرماتے ہیں ۔ اور آپ کا ارشاد ہے کہ جو اپنی زمین سے مستغنی ہو وہ یا تو اپنے بھائی کو مفت دے دے ، یا یونہی پڑا رہنے دے"۔

یہاں روایت میں صورتِ معاملہ سامنے آگئی ہے اور اس علتِ ظلم و تشدد کو سمجھا جا سکتا ہے جس کی وجہ سے حضورؐ نے اس طریق پر زمین کا معاملہ کرنے سے منع فرمایا ۔

حضرت جابر بن عبد اللہ امتناعِ مزارعت والی روایت کے دوسرے نمایاں راوی ہیں ، اُن سے بھی لوگوں نے دریافت کیا تو اُنہوں نے جواب دیا ۔

" ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بٹائی پر زمینیں کاشت کے لیے دیتے تھے اور کچھ گانٹھوں یا گھنڈیوں میں سے ، اور کچھ اس چیز میں سے اور کچھ اُس چیز میں سے بھی وصول کرتے تھے ۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے پاس زمین ہو اُسے چاہیے کہ یا خود کاشت کرے یا اپنے کسی بھائی کو کاشت کرائے ،

[1] روایت میں جو لفظ ہے (قُصارٰی اور قُصْرٰی) لُغت میں اس کے معنی یہ درج ہیں : بقيةُ الحَبِّ في سنبلٍ بعد ما يُداس ۔ یعنی وہ غلہ جو کھلیان کے بعد بالوں میں بچا رہتا ہے ۔ برصغیر میں بعض لوگ اسے "گانٹھ" یا "گھنڈی" کہتے ہیں ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ورنہ اپنی زمین پڑی رہنے دے۔

یہاں بھی واضح ہو گیا کہ اصل علّتِ امتناع کیا تھی۔

۷ — حضرت زید بن ثابت جن کی روایت مدعی کے حق میں تھی، اُن سے حضرت عروہ بن زبیر نے معاملہ کی تحقیق کی۔ اُنہوں نے فرمایا:

"خدا معاف کرے رافع بن خدیج کو، میں اِس بات کو اُن سے زیادہ جانتا ہوں۔ اصل بات یہ تھی کہ دو آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے جن کے درمیان سخت جھگڑا ہوا تھا۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا، اگر تم لوگوں کا یہ حال ہے تو اپنی زمینیں کرایہ پر نہ دیا کرو۔ رافع نے حضورؐ کی بس اتنی بات سُن لی کہ "اپنی زمینیں کرایہ پر نہ دیا کرو"۔

۸ — سعد بن ابی وقاص نے اس معاملہ کی وضاحت کرتے ہوئے اسی غیر منصفانہ صورتِ مزارعت کا ذکر کیا ہے اور آخر میں کہا ہے کہ "اس پر لوگوں میں جھگڑے ہوئے اور اُن کے مقدمات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے لگے۔ تب آپ نے ایسی شرطوں پر زمینیں دینے سے منع فرما دیا۔ اور فرمایا کہ سونے چاندی کی شکل میں کرایہ طے کر لو۔"

ابو وقاص کی ایک اور مختصر روایت اسی معنی میں ہے۔

۹ — حضرت طاؤس نے جو فقہا تابعین میں سب سے زیادہ مشہور ہیں، حضرت عبداللہ ابن عباس سے معلومات حاصل کیں۔ ابن عباس نے جب کرایۂ زمین کے بارے میں سنا کہ لوگوں میں بہت چرچے گرمیاں ہو رہی ہیں تو انہوں نے کہا "سبحان اللہ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو صرف یہ فرمایا تھا کہ تم میں سے کوئی شخص اپنی زمین اپنے بھائی کو مفت کیوں نہیں دے دیتا، آپؐ نے کرایہ پر دینے سے منع نہیں فرمایا تھا"۔

ابن عباس ہی کی دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ "رسول اللہؐ نے دراصل یہ فرمایا تھا کہ کوئی شخص اپنے بھائی کو زمین یونہی دے دے تو یہ اس سے زیادہ بہتر ہے کہ وہ اس پر ایک مقرر لگان لے — ایک اور روایت میں یہی بات کہی گئی ہے — تیسری روایت میں عبداللہ ابن عباس کے الفاظ یہ ہیں:-

"حضورؐ نے مزارعت کو حرام نہیں کر دیا تھا، بلکہ آپ نے یہ ہدایت فرمائی تھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ رفاقت کا برتاؤ کریں"۔

نتیجہ | اب مدعی پر واضح ہوگیا ہوگا کہ امتناع کی ساری بحث مزارعت کی ایک مروجہ غلط شکل کے خلاف تھی، نہ کہ نفسِ مزارعت کے خلاف۔ اس شکل سے بے انصافی ہوتی تھی اور جھگڑے پیدا ہوتے تھے۔ نیز مدعی پر یہ بھی واضح ہوگیا ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدین (رضوان اللہ علیہم اجمعین) اور دیگر صحابہ کرام سب نے بٹائی پر زمینیں کاشت کرائی ہیں اور یہ سلسلہ بڑے وسیع پیمانے پر پچاس سال تک بلا روک ٹوک جاری رہا، اتنا عرصہ گذر جانے کے بعد چند اصحاب نے امتناعِ مزارعت کی روایت بیان کی اور پھر جب اُن سے وضاحت طلب کی گئی تو معلوم ہوا کہ امتناع اُصولی اور کلی نہ تھا۔ بلکہ ایک خاص شکلِ فساد سے روکا گیا تھا۔ مدعی پر یہ بات بھی واضح ہوگئی ہوگی کہ کسی لگان کے بعد زمین دوسروں کو دے دینے کی جو تلقین حضورؐ نے فرمائی تھی وہ اخلاقی فیاضی کی تعلیم تھی نہ کہ قانونی حکم۔

اور مدعی پر یہ بھی واضح ہوگیا ہوگا کہ اس طرح کی بحث و تحقیق کے لیے ایسے اخبارات کے کالم موزوں جگہ نہیں ہیں، جو نہ صرف محدود جگہ رکھتے ہیں بلکہ نہایت درجہ وقتی ہوتے ہیں اور ان کے اردگرد کے کالموں کا ماحول دینی اور تحقیقی نہیں ہوتا۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے ایک وسیع کاروباری ہال کے ایک کونے میں قوالی ہو رہی ہو، ایک میں رقص پیش کیا جارہا ہو، ایک میں فلم دکھائی جارہی ہو اور چوتھے کونے میں آپ درسِ قرآن دینے لگیں۔ مذہب کو کاروباری صحافت کا ایک مالِ تجارت نہیں بننے دینا چاہیے۔

(بقیہ حقیقتِ تصوف)

شہود ہے کہ تمام موجودات وجودِ حق میں فنا ہیں۔ کھلے الفاظ میں اُن کے نزدیک خالق اور مخلوق ایک ہی وجود ہے۔ وہی فی نفسہٖ واجب ہے اور وہی ممکن ہے۔ متاخرین نے اس نظریے کو "ہمہ اوست" کے تین الفاظ میں سمو دیا ہے۔ (باقی)

© rasailojaraid.com